بانی مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

مدیر

محمد فیاض خان سواتی

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، پاکستان

مولانا حافظ عبدالقدوس خان قارن
مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

تین طلاقوں سے متعلق غیر مقلدین کے مغالطات اور ان کے جوابات

(قسط اول)

تین طلاقوں کے تین ہی واقع ہونے پر جمہورؒ کی جانب سے پیش کئے جانے والے دلائل اور امام ابن تیمیہؒ اور ان کی پیروی میں غیر مقلدین حضرات کے دلائل کے جوابات "عمدۃ الاثاث" میں ملاحظہ فرمائیں' یہاں ہم صرف ان مغالطات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو عام طور پر غیر مقلدین حضرات اس مسئلہ میں پیش کرتے ہیں' ان مغالطات کے ذکر کرنے اور ان کے جوابات دینے کی اس لیے ضرورت محسوس ہوئی تا کہ عوام الناس کو اصل مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو اور مغالطات کا شکار ہو کر غلط فہمی میں نہ مبتلا رہیں' عام طور پر مندرجہ ذیل مغالطے غیر مقلدین حضرات دیتے ہیں۔

۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ کے دور میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں اور روایت میں علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرات شیخینؓ خود یہ فیصلہ فرماتے تھے۔

۲) کیا حضرت عمرؓ کو حکم شرعی منسوخ کرنے کا اختیار تھا۔

۳) جب حضور علیہ السلام کا فیصلہ یہ تھا تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے' حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اجتہادی تھا اور غلط تھا اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

۴) حضرت عمرؓ اپنے اس فیصلے پر آخر عمر میں نادم اور پشیمان ہو گئے تھے اس لیے اس فیصلہ کی کوئی حیثیت نہ رہی۔

۵) جب تین طلاقیں بیک وقت دینا مقلدین کے نزدیک ناجائز اور ممنوع ہیں تو پھر ان کو نافذ کیوں مانتے ہیں۔

۶) حضرت ابن عباسؓ کی روایت مسلم شریف میں ہے اور صحیح ہے اس لئے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

۷) بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کے فتویٰ کے مطابق بھی فتویٰ دینے کے احناف قائل ہیں تو ایسی حالت میں غیر مقلدین حضرات کے فتویٰ کو کیوں تسلیم نہیں کرتے۔

۸) اگر کوئی آدمی غلطی سے تین طلاقیں اکٹھی دے دیتا ہے تو احناف حلالہ کے بغیر اس کیلئے ملاپ کی کوئی صورت نہیں بتاتے اور حلالہ تو قبیح اور لعنتی فعل ہے اس لیے اس سے بچنے کیلئے غیر مقلدین کے فتویٰ پر ہی عمل کرلینا چاہیے۔

یہ ایسے مغالطات ہیں جو عموماً غیر مقلدین حضرات کی طرف سے دیئے جاتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا مختصر جواب ہم انشاء اللہ العزیز عرض کریں گے، ان سے پہلے ہم اس دعویٰ کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ طلاق صرف ایک ہے۔

طلاقیں تین ہیں یا ایک

بعض غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ طلاق صرف ایک ہی ہے البتہ ضرورت کی صورت میں مرد کو زندگی میں تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے، تین دفعہ ہونے کی وجہ سے تین طلاقیں ہیں ویسے طلاقیں تین نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کی صورت اور اس کے احکام بیان کرتے ہوئے الطلاق مرتان کہا ہے۔ طلاقان یا الطلاق ثلث تطلیقات نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ کے الفاظ کا صاف معنی یہی ہے کہ رجوع والی طلاق دو مرتبہ ہے اب دو مرتبہ دینے کی صورت میں تو دو ہوں گی، ایک مرتبہ دینے کی صورت میں دو نہیں ہوں گی، اگر طلاقیں تین ہوں تو پوری امت اس پر کیوں متفق ہوگئی کہ صرف ایک طلاق سے میاں بیوی میں مکمل جدائی ہوجاتی ہے اور یہ کہ عورت ایک طلاق کے بعد کسی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے جبکہ غیر مدخولہ کی عدت بھی کوئی نہیں تو وہ پہلی مرتبہ ہی طلاق کے فوراً بعد کسی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔۔۔ الخ

الجواب

یہ نظریہ تفاسیر واحادیث اور امت کے اجماعی نظریہ کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ تقریباً تمام تفاسیر میں ہے کہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں لوگ عورت کو پریشان

کرنے کی خاطر سو سو دفعہ بھی تسلسل کے ساتھ طلاقیں دیتے جاتے' ایک طلاق دی جب اس کی عدت گزرنے کے قریب ہوئی تو رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی اور یہی سلسلہ چلتا رہتا تو اسلام نے پابند کر دیا کہ مرد کو صرف دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے جب تیسری طلاق دے دی تو رجوع کا حق نہیں رہے گا اور طلاق کی آخری حد (آزاد عورت کیلئے) تین مقرر کر دی (ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۲' مظہری ص ۳۰۰ ج ۱' خازن ص ۲۲۷ ج ۱' معالم التنزیل برحاشیہ خازن ص ۲۲۷ ج ۱' تفسیر در منثور ص ۲۷۷ ج ۱' اور اسی طرح احادیث میں بھی ہے' ملاحظہ ہو (ترمذی ص ۲۲۶ ج ۱' اور موطا امام مالک)

امام ابن تیمیہؒ جاہلیت اور ابتداء اسلام کے اس طریق کار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں واللہ تعالٰی قصرهم علی الطلاق الثلاث دفعا لهذا الضرر کما جاءت به الآثار (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۷۹ ج ۳۳) یعنی عورت کو اس ضرر سے بچانے کی خاطر اللہ تعالٰی نے مردوں کیلئے تین طلاقوں کی حد مقرر کر دی ہے۔

غیر مقلد عالم مولانا سید احمد حسن دہلویؒ فرماتے ہیں اس طریقہ کے بند کرنے کیلئے اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی جس سے اب یہ حکم شرعی ٹھہر گیا کہ تین طلاق کے بعد کوئی حق رجوع کرنے کا مرد کو باقی نہیں رہا' حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے (احسن التفاسیر ص ۱۷۹' ۱۸۰ ج ۱)

غیر مقلد عالم مولانا عبدالجبار صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالٰی نے تین طلاقیں رکھیں اور ان کے دینے کا شرعی طریقہ یہ بتایا کہ علیحدہ علیحدہ بحالت طہر دی جائیں اور دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار دیا (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۴۱ ج ۲) اور اسی صفحہ میں اس سے پہلے فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے رسم جاہلیت کو مٹا کر تین طلاقیں معین فرمادیں۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد عبداللہ امرتسریؒ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دیتا ہے اور اس عورت کی عدت گزر گئی اور وہ دونوں دوبارہ نکاح کرتے ہیں تو اب مرد کتنی طلاقوں کا مالک ہوگا تو فرماتے ہیں سوال کی صورت میں نکاح کے بعد دو ہی طلاقوں کا مالک ہوگا (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۶۸ ج ۲) اگر طلاق ایک ہی ہو تو دو کا مالک کیسے ہو سکتا ہے ؟

امام سیوطی فرماتے ہیں فوقت لھم الطلاق ثلاثا (تفسیر در منشور ص ۲۷۷ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان مردوں کیلئے تین طلاقیں مقرر فرمادیں، اس لیے یہ کہنا کہ طلاق صرف ایک ہی ہے بالکل باطل نظریہ ہے۔

طلاق ایک ہی کہنے والوں کی دلیل اور اس کا جواب

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے الطلاق مرتان فرمایا ہے طلاقان یا الطلاق ثلاث تطلیقات نہیں فرمایا تو ان حضرات سے عرض ہے کہ تفسیری نکات کو حضرات مفسرین کرام نے بہترین انداز میں حل فرمایا ہے اور یہاں بھی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مرتان سے مراد ہے اثنتان ہے چنانچہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ جب ایک آدمی نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے الطلاق مرتان فرمایا ہے تو تیسری طلاق کہاں گئی، تو آپؐ نے فرمایا التسریح باحسان ھو الثالثۃ ھذا یدل علی ان معنی مرتان اثنتان (روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۲) کہ التسریح باحسان سے تیسری طلاق مراد ہے، علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرتان کے معنی اثنتان ہے اور علامہ ابو السعودؒ فرماتے ہیں مرتان ای اثنان (تفسیر ابو السعود ص ۱۷۲ ج ۱) کہ مرتان سے مراد اثنان ہے جب مرتان کا معنی اثنان ہے تو طلاقان اور اثنان کا مفہوم ایک ہی ہے اور حضور علیہ السلام نے لونڈی کی طلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا طلاق الامۃ تطلیقتانؒ (ترمذی ص ۲۲۴ ج ۱ وابن ماجہ ص ۱۵۱) اور ایک روایت میں طلاق الامۃ اثنتان ہے (دار قطنی ص ۳۸ ج ۴) جب لونڈی کی طلاقیں آخری دو ہی ہیں تو تطلیقان اور اثنان فرمادیا گیا تو اس سے آزاد عورت کی طلاقیں بھی سمجھی جاسکتی ہیں کہ ان کی آخری حد تین ہے باقی رہا یہ سوال کہ الطلاق مرتان کیوں فرمایا ہے الطلاق اثنتان کیوں نہیں فرمایا تو اس کے بارے میں علامہ ابو السعودؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی اطلاع مقصود ہے کہ ان دونوں طلاقوں کا حق یہ ہے کہ ایک ہی دفعہ نہ ہوں بلکہ یکے بعد دیگرے ہوں وان کان حکم الرد ثابتا حیئذ ایضا (تفسیر ابی السعود ص ۱۷۲ ج ۱) اگرچہ اکٹھی دو کی صورت میں بھی رجوع کا حکم ثابت ہوتا ہے اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ اثنتان کی بجائے مرتان اس لیے فرمایا تاکہ اس پر دلالت کرے کہ ایک ہی دفعہ دو طلاقیں دینا مکروہ ہے اور آگے فرماتے ہیں

لیکن اس میں اجماع ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں (تفسیر مظہری ص ۳۰۰ ج ا) خلاصہ یہ ہوا کہ مرتان ہے تو اثنتان کے معنی میں مگر یہ انداز اس لیے اختیار کیا گیا تا کہ دو طلاقوں کی صورت میں بہتر طریق کو واضح کردیا جائے کہ بہتر طریقہ یکے بعد دیگرے طلاق دینے کا ہے اگرچہ اکٹھی دینے کی صورت میں بھی حکم وہی ہے مگر مکروہ ہے۔

دوسری دلیل اور اس کا جواب

یہ حضرات دوسری دلیل یہ دیتے ہیں اگر طلاقیں تین ہوتیں تو پوری امت اس بات پر کیوں متفق ہوگئی کہ صرف ایک طلاق سے میاں بیوی میں مکمل جدائی ہوجاتی ہے -- الخ، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات طلاق کے بارہ میں اسلام کے بنیادی اصول سے ہی ناواقف ہیں، ان کی معلومات کیلئے عرض ہے کہ شریعت نے عورت کی حیثیت اور مرد کے طلاق دینے کے طریق کار کے لحاظ سے طلاق میں مختلف تاثیریں رکھی ہیں اور ہر مقام میں اس مقام کے مناسب اس طلاق کا اثر ظاہر ہوتا ہے مثلاً " مدخولہ بھا آزاد عورت کو ایک طلاق دی گئی اور مرد طلاق دینے کے بعد عدت کے دوران شریعت کے دیئے گئے رجوع کے حق کو اختیار کرتا ہے تو بے شک طلاق ہوگئی مگر یہ طلاق مرد کو رجوع سے نہیں روکتی اور مرد اس کے بعد صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا اور اگر مرد نے عدت کے دوران رجوع نہیں کیا تو اسی طلاق کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ اب مرد رجوع نہیں کرسکتا بلکہ نئے نکاح کی ضرورت ہوگی اور نئے نکاح کیلئے عورت کی رضامندی ضروری ہے جبکہ عدت کے دوران رجوع کی صورت میں عورت کی رضا وعدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح اگر دوسری طلاق دے دی تو پھر ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا اور تیسری طلاق کے بعد رجوع اور نئے نکاح دونوں کا حق اس مرد کو نہیں رہا جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور ہم بستری کے بعد وہ طلاق دیدے یا مرجائے تو پھر پہلے خاوند سے نکاح کی صورت ہوسکتی ہے ورنہ نہیں اور غیر مدخولہ بھا کو جو طلاق دی جاتی ہے اس ایک طلاق کا ہی اثر یہ ہے کہ وہ عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہوجاتی ہے مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوتا اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر طلاق اپنے اپنے مقام میں اپنا اثر دکھاتی ہے غیر مدخولہ بھا کو دی بنانے والی طلاق کا اثر یہ ہے کہ عورت اس کی وجہ سے بائنہ ہوگئی اور اس کیلئے عدت بھی نہیں تو وہ کسی دوسرے مرد

سے فی الفور بھی نکاح کر سکتی ہے جبکہ مدخولہ بھا کو دی جانے والی طلاق کا یہ اثر نہیں ہے اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان حضرات کا یہ نظریہ ان کے اسلامی اصول طلاق سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

غیر مقلدین کی غلط بیانی

بعض غیر مقلدین علماء عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ شریعت نے طلاق کے معاملہ میں ایسی کوئی صورت نہیں رکھی کہ پہلی ہی مرتبہ میں میاں بیوی میں جدائی ہو جائے، انسان غلطی سے ایسا کر بیٹھتا ہے اور جب جذبات ٹھنڈے ہوتے ہیں تو اس کو غلطی کا احساس ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے تعلقات پوشیدہ ہونے کی صورت میں یہ مبغوض عمل جائز قرار دینے کے باوجود کوئی ایسا انداز جائز یا مشروع نہیں کیا کہ جس سے میاں بیوی میں ایسی جدائی ہو جائے کہ ان میں صلح کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

غیر مقلدین ایسی باتیں کر کے بزعم خویش ان لوگوں کا راستہ روکنا چاہتے ہیں جو اکٹھی تین طلاقوں کی صورت میں مکمل جدائی کا نظریہ رکھتے ہیں جو کہ جمہور امت کا نظریہ ہے مگر یہ حضرات اس سوچ میں یہ بھول گئے کہ بعض ایسی صورتیں خود غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بھی پائی جاتی ہیں جن میں پہلی ہی دفعہ طلاق کی صورت میں رجوع کا حق نہیں رہتا ان صورتوں میں طلاق علی المال کی صورت اور انت علی حرام کے الفاظ سے طلاق اور فارغخطی جیسے کنایہ کے الفاظ سے طلاق دینے کی صورتیں نمایاں ہیں چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے ہاں ایک سوال پیش ہوا جس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں الجواب واضح رہے کہ فارغ خطی ہمارے عرف کے مطابق ایک طلاق بائن ہوتی ہے لہٰذا اب زوج کو کسی صورت رجوع کا حق حاصل نہیں ہے اور عورت کو بعد گزر جانے عدت کے اختیار ہوگا کہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے واللہ اعلم بالصواب (سید محمد نذیر حسین) اور اس کے بعد غیر مقلدین کے عظیم محدث محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں --- سورت مسئولہ میں چونکہ شخص مذکورہ نے بعوض مال کے طلاق دی ہے اس لیے یہ طلاق خلع ہے اور خلع میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۸۰ ج ۳)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد عبداللہ صاحب امرتسریؒ سے سوال ہوا کہ خلع طلاق ہے یا فسخ اور اس کی عدت کیا ہے؟ اس کے جواب میں لکھتے ہیں دو باتوں میں تو کوئی شبہ نہیں ایک یہ کہ خلع میں رجوع نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اس کو فدیہ کے لفظ سے ذکر کیا ہے اور فدیہ تبھی ہو سکتا ہے کہ رجوع نہ ہو (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۸۱ ج ۳) مولانا محمد عبداللہ صاحب ہی سے سوال ہوا کہ اگر زید اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ تو مجھ پر حرام ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں تلخیص الحبیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عائشہؓ کہتے ہیں کہ یہ قسم ہے اور اس میں قسم کا کفارہ ہے اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی مذہب ہے پھر آگے لکھتے ہیں تیسرے حوالہ میں بتایا ہے کہ حرام وغیرہ کے لفظ سے ایک طلاق پڑ سکتی ہے تین بھی پڑ سکتی ہیں اگر ایک یا دو کی نیت کرے گا تو ایک، اگر تین کی نیت کرے گا تو تین، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سوال کی صورت میں حرام کا لفظ بالاتفاق طلاق کیلئے ہے (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۷۰، ۲۷۱ ج ۳) ان حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ غیر مقلدین حضرات

کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کہ پہلی ہی دفعہ طلاق کی کوئی ایسی صورت نہیں ہے جس میں رجوع کی گنجائش نہ ہو، اس لئے کہ طلاق کی یہ صورت پہلی دفعہ بھی ہے اور اس میں رجوع کی گنجائش بھی نہیں ہے نیز مولانا محمد عبداللہ صاحب امرتسریؒ نے تلخیص الحبیر کا جو حوالہ دیا ہے اس پر کوئی جرح نہیں کی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اعتراف ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ حرام کے لفظ سے دی جانے والی طلاق کو تین طلاقیں سمجھتے تھے تو ایک لفظ سے ایک ہی وقت میں تین طلاقوں کا پایا جانا ان حضرات صحابہ کرامؓ سے جناب مولانا محمد عبداللہ امرتسری صاحب نے تسلیم کر لیا ہے (فللہ الحمد)

طلاق کا معنیٰ

غیر مقلد علماء بعض کتب کے حوالہ سے طلاق کا لغوی اور شرعی معنے بیان کر کے بھی مغالطہ دیتے ہیں کہ بعض نے طلاق کا شرعی معنی کیا ہے حل عقدۃ التزویج اور بعض نے رفع القید الثابت شرعا" بالنکاح کیا ہے کہ نکاح کی وجہ سے ثابت ہونے والی بیڑی کھول دینا ــــ الخ

گزارش ہے کہ بے شک ان حضرات نے یہ معنی بیان کیا ہے مگر وہ علمی دور تھا اور لوگ احکام کو پیش نظر رکھ کر تعریفات کو سمجھ لیتے تھے مگر جب علمی انحطاط ہوا اور لوگوں کو احکام سے مناسب واقفیت نہ رہی تو حضرات علماء کرام نے طلاق کی تعریف ایسے انداز سے فرمائی جس کی وجہ سے کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے، مذکورہ تعریفات سے چونکہ طلاق رجعی کی صورت میں دی جانے والی طلاق کی تعریف نمایاں نہیں اور اس وجہ سے اس تعریف پر اعتراض ہوتا تھا اس لیے طلاق کی مناسب تعریفات یوں بیان کی گئی ہیں چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں رفع قید النکاح حالا" او مالا" بلفظ مخصوص (البحر الرائق ص ۲۳۵ ج ۳) کہ مخصوص لفظ کے ساتھ حال یا مال کے لحاظ سے نکاح کی قید کو دور کرنا، یعنی عورت جو نکاح کی وجہ سے مرد کی قید میں ہے اس قید کو فی الفور دور کرنا جبکہ طلاق بائنہ ہو یا مال کے لحاظ سے دور کرنا جبکہ طلاق رجعی ہو اس لیے کہ طلاق رجعی کی صورت میں قید فی الفور دور نہیں ہوتی بلکہ عدت گزر جانے کے بعد دور ہوتی ہے اور صاحب در المنتقی فرماتے ہیں کہ چونکہ عام طور پر طلاق کی جو تعریفات کی جاتی ہیں یہ طلاق رجعی کو شامل نہیں اس لیے طلاق کی بہتر تعریف یہ ہے ازالۃ النکاح او نقصان حله (دار المنتقی ص ۳۸۱ ج ۱) کہ طلاق نام ہے نکاح کے ازالہ یا اس کی حلت میں نقصان کا' طلاق بائنہ کی صورت میں ازالہ نکاح ہے اور طلاق رجعی کی صورت میں حلت کا نقصان ہے اور ملا شیخ زادہ فرماتے ہیں وحکمه وقوع الفرقة موجلا" بانقضاء العدة فی الرجعی وبدونه فی البائن (مجمع الانہر ص ۳۸۰ ج ۱) کہ طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی کی صورت میں فرقت عدت گزر جانے تک موخر ہوگی اور بائنہ کی صورت میں فرقت فی الفور ہوگی۔

غیر مقلد علماء نے چونکہ صرف رفع القید والی تعریفات کو ہی پیش نظر رکھ لیا ہے اس لیے وہ طلاق کے معاملے میں مغالطہ در مغالطہ کا شکار ہو کر رہ گئے اور عوام الناس کو بھی مغالطے دینے کے درپے ہوگئے۔

غیر مقلدین کی طرف سے دیئے جانے والے مغالطے

○ --- پہلا مغالطہ! علی عہد رسول اللہ ﷺ کا مطلب کیا ہے؟

غیر مقلدین حضرات عام طور پر یہ کہتے رہتے ہیں کہ "علی عہد رسول اللہ ﷺ" کا

مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام فیصلہ فرماتے تھے حالانکہ اس کا یہ مطلب بالکل باطل ہے اس لیے کہ کئی احادیث میں یہ الفاظ ملتے ہیں اور ان میں قطعاً" یہ معنی نہیں کیا جاسکتا اور طلاق کے بارے میں احادیث کے ذخیرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ والی روایت بھی "علی عهد رسول الله ﷺ" کا یہ مطلب لینے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے اس لیے علماء امت نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا' کرنے والے اپنی مرضی سے کرتے تھے اگر کسی ممنوع فعل کا علم آپ ﷺ کو ہوجاتا تو آپ منع فرما دیتے تھے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے کسی کام سے منع کردیا ہوتا مگر بعض حضرات صحابہ کرامؓ کو منع کی خبر نہ پہنچی ہوتی تو وہ اس کو کرتے رہتے اور جب ان کو ممانعت کی خبر پہنچ جاتی تو باز آجاتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں' چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں ----

۱) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے طلقت امراتی علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وهی حائض (مسند احمد ص ۱۰۲ ج ۲) فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو میرے والد حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کو اس سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے مجھے رجوع کا حکم فرمایا' حدیث میں الفاظ "علی عهد رسول الله ﷺ" ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں بن سکتا کہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے انہوں نے طلاق دی تھی اس لیے کہ حیض کی حالت میں طلاق تو شرعاً" ممنوع ہے اس کا آپ ﷺ کے فیصلہ سے ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا' حضرت ابن عمرؓ نے یہ طلاق اپنی مرضی سے دی تھی تب ہی تو علم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے رجوع کا حکم دیا تھا۔

۲) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے قال کنا اذا اشترینا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم طعاما جزافا منعنا ان نبیعه حتی نوویه الی رحالنا (مسند احمد ص ۱۵۷ ج ۲) فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں ہم تخمینہ سے طعام خریدتے تو آپ ﷺ نے منع فرما دیا کہ جب تک اس جگہ سے منتقل کر کے اپنے ٹھکانوں پر نہیں لے جاتے اس وقت تک اس کو نہ بیچیں ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کرتے تھے اور آپ ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

۳) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے قال قد کنا علی عهد رسول الله صلی الله علیه

وسلم نشوب قیاما وناکل ونحن نسعی (مسند احمد ص ۲۴ ج ۲) فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہم کھڑے ہو کر پانی پی لیا کرتے تھے اور بھاگتے دوڑتے کھا بھی لیتے تھے اور امام ترمذیؒ اس مفہوم کی روایت ذکر کر کے فرماتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح غریب (ترمذی ص ۱۰ ج ۲) اس میں قطعاً" یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ سے ایسا کرتے تھے اس لیے کہ صحیح روایات میں نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نھی ان یشرب الرجل قائما" (مسلم ص ۱۷۳ ج ۲ وترمذی ص ۱۰ ج ۲ وغیرہ) بات واضح ہے کہ وہ حضرات حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے کھڑے ہو کر پانی نہیں پیتے تھے بلکہ یا تو ان کو ممانعت کی روایات نہ پہنچی ہوں گی یا پھر وہ ممانعت میں توجیہ کرتے تھے کہ اس سے مراد کراہت ہے۔

۴) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں افطرنا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم غیم ثم طلعت الشمس (ابن ماجہ ص ۱۲۰) کہ ہم نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بادل والے دن سورج کے غروب سے پہلے ہی روزہ افطار کر دیا پھر دیکھا کہ ابھی سورج طلوع ہے یہاں بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے روزہ افطار کیا ہو۔

۵) حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں تزوجت امرۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ ص ۱۳۴) کہ میں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت سے نکاح کیا تو جب میں حضور علیہ السلام سے ملا تو آپ نے فرمایا اے جابر! کیا تو نے شادی کی ہے تو میں نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا! کہ کنواری عورت سے کی ہے یا ثیبہ سے تو میں نے کہا کہ ثیبہ سے کی ہے۔ اس روایت میں بھی "علی عھد رسول اللہ ﷺ" کے الفاظ ہیں مگر آپ ﷺ کو اس کی شادی کی خبر بھی نہ تھی۔

۶) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کانت النفساء علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقعد بعد نفاسھا اربعین یوما او اربعین لیلۃ (ابو داؤد ص ۴۳ ج ۱) کہ نفاس والی عورتیں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چالیس دن یا چالیس راتیں بیٹھی رہتی تھیں ظاہر ہے کہ یہ عورتیں اپنی نفاس کی عادت کے مطابق بیٹھی رہتی تھیں اور نفاس کی مدت گزارتی تھیں، اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ نفاس والی عورتوں کیلئے آپ ﷺ نے یہ

فیصلہ فرمایا تھا اس لیے کہ اگر آپ کا فیصلہ ہوتا تو پھر اس مدت میں کی بیشی نہ ہوسکتی حالانکہ حکم یہ ہے کہ اگر عورت کا نفاس کا خون چالیس دن سے کم مدت میں بھی بند ہوجائے تو وہ غسل کرکے پاک ہوجاتی ہے اور اس کا حکم پاک عورتوں والا ہے اس پر نماز بھی لازم ہوگی اور اس کے ساتھ خاوند ہم بستری بھی کرسکتا ہے اس لیے اس روایت کے تحت غیر مقلد عالم لکھتے ہیں کہ نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے اور کم از کم کی کوئی حد نہیں۔ جب بھی عورت کا خون بند ہوجائے تو غسل کرے اور نماز پڑھنا شروع کردے (عون المعبود ص ۱۲۳ ج ۱) ان روایات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "علی عہد رسول اللہ ﷺ" یعنی حضور علیہ السلام کا زمانہ ہونے کے باوجود لوگ اپنے طور پر بعض ایسے کام کرتے تھے جن کا حضور علیہ السلام کو یا تو پتہ ہی نہ چلتا تھا یا ان کے کرنے کے بعد پتہ چلتا تھا اور ان میں سے بعض لوگ بعض ممنوع کام بھی کرتے تھے یا تو ان کو ممانعت کا علم نہ تھا' یا وہ ممانعت کو کراہت پر محمول کرتے تھے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ "علی عہد رسول اللہ ﷺ" کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور علیہ السلام فیصلہ فرماتے تھے۔ بعض صحابہ کرامؓ کو بعض منسوخ کاموں کے نسخ کا علم نہ ہوتا تھا۔ بعض کام ایسے بھی تھے جو پہلے جائز ہوتے تھے اور بعد میں حضور علیہ السلام نے ان سے منع فرمایا ہوتا مگر بعض صحابہ کرامؓ کو ان کے نسخ کا علم نہ ہوتا تھا اس لیے وہ ان کاموں کو کرتے رہتے اور جب ان کو ان کاموں کے منسوخ ہونے کا علم ہوجاتا تو چھوڑ دیتے تھے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں ـــــ

(۱) اگر آدمی اپنی بیوی سے ہم بستری کرے اور منی کے نکلنے کے بغیر چھوڑ دے تو ابتداء اسلام میں اس کی وجہ سے صرف وضو کافی ہوتا تھا مگر بعد میں حضور علیہ السلام نے اس کی وجہ سے غسل کا حکم دیا پہلے حکم کے منسوخ ہونے کا علم کئی صحابہ کرامؓ کو حضرت عمرؓ کے زمانہ تک نہ ہوسکا اور وہ پہلے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے اور فتویٰ دیتے رہے چنانچہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں وقد بقی علی المذہب الاول جماعة من الصحابة لم یبلغھم خبر التقاء الختانین منھم سعد بن ابی وقاصؓ وابو ایوب الانصاریؓ وابو سعید الخدریؓ ورافع بن خدیجؓ وزید بن خالدؓ (معالم السنن ص ۱۵۰ ج ۱) یعنی پہلے نظریہ پر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت باقی رہی اس لیے کہ ان کو التقاء ختانین والی روایت نہ پہنچی تھی اور ان صحابہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے' اور غیر

مقلد عالم فرماتے ہیں ولعدم الاطلاع علی نسخہ وکانوا ھم جماعۃ من الصحابۃ (عون المعبود ص ۸۶ ج ۱) یعنی انزال منی کے بغیر جماع کی صورت میں صرف وضو کا فتویٰ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت دیتی رہی اس لیے کہ ان کو اس کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہ ہو سکی تھی اور ان صحابہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ جیسی شخصیات بھی شامل تھیں اور ایک روایت میں ہے صحابی فرماتے ہیں کنا نفعلہ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے (کہ انزال منی کے بغیر جماع کی صورت میں صرف وضو ہی کرلیا کرتے تھے) تو اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کے سامنے حضرات صحابہ کرامؓ کی آپس میں بحث شروع ہو گئی اور جھگڑا ہو گیا تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ اس معاملہ میں ازواج مطہرات سے بڑھ کر کوئی مسئلہ نہیں بتاسکتا' ان سے مسئلہ پوچھنا چاہیے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آدمی بھیجا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسی صورت میں غسل واجب ہوتا ہے تو اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ کے ساتھ الماء من الماء والی روایت پر عمل کرنے سے منع فرمادیا (مسند احمد ص ۱۱۵ ج ۵)

(۲) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کنا نبیع امھات الاولاد علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسند احمد ص ۲۲ ج ۳) کہ ہم حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ام ولدہ کی خرید وفروخت کرتے رہتے تھے اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں بعنا امھات الاولاد علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر فلما کان عمر نھانا فانتھینا (ابو داؤد ص ۱۹۵ ج ۲) کہ ہم حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ام ولدہ کی خرید وفروخت کرتے تھے تو جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے ہمیں اس سے روک دیا تو ہم رک گئے۔

امام منذریؒ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ پہلے زمانہ میں مباح ہو پھر نبی کریم ﷺ نے منع فرمادیا ہو اور حضرت ابوبکرؓ کو اس کا علم نہ ہوسکا ہو اس لیے کہ ان کی خلافت کا زمانہ تھوڑا سا تھا اور وہ دینی امور میں مشغول رہتے تھے ثم نھی عنہ عمر حین بلغہ ذالک عن رسول اللہ فانتھوا عنہ (مختصر سنن ابی داؤد ص ۴۱۴ ج ۵) پھر حضرت عمرؓ نے منع فرمادیا جبکہ ان کو نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں ممانعت کی خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کے منع کرنے پر لوگ اس کام سے رک گئے یہ بات امام خطابی نے (معالم السنن ص ۴۱۵ ج ۵) اور غیر

مقلد عالم نے (عون المعبود ص ۴۸ ج ۴) میں بھی نقل کی ہے۔ اور غیر مقلد عالم علامہ وحید
الزمان صاحب لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا (ابوداؤد مترجم ص ۲۲۰ ج
۳) اس مذکورہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ ایک عمل منسوخ ہوچکا تھا مگر لوگ حضرت ابوبکرؓ
کے زمانہ میں کرتے رہے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اس لیے منع نہ کیا کہ ان کو خود نسخ کا
علم نہ ہوسکا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو ان لوگوں کا اس کام کرنے کا علم نہ
ہوسکا اس لیے کہ وہ اپنے طور پر ایسا کرتے تھے۔

(۳) حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابن عمرؓ اپنے مزارع کو زمین کرایہ پر
دیتے تھے اور وہ یہ کام حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت
عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کی خلافت کے ابتدائی دور تک کرتے رہے پھر ان کو حضرت رافع بن
خدیجؓ نے اس سے ممانعت کی حدیث سنائی تو وہ رک گئے (مسلم ص ۱۳ ج ۲ و مسند احمد ص
۶ ج ۲) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جیسی شخصیات جن کا شمار ان صحابہ
کرامؓ میں ہوتا ہے جو بکثرت روایات کرنے والے ہیں مگر ان کو بھی عرصہ دراز تک اس کے
منسوخ ہونے کا علم نہ ہوسکا اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے اس عمل کا علم
حضور ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو نہ ہوسکا اس لیے کہ ان کو تو تب
معلوم ہوتا جب ان کی خدمت میں معاملہ پیش کیا جاتا' نہ ان کے سامنے معاملہ پیش ہوا اور
نہ ہی ان حضرات کو پتہ چلا۔ منسوخ اعمال پر بھی "علی عھد رسول اللہ ﷺ" ہونے کا ذکر آتا
ہے۔ جو اعمال منسوخ ہوچکے ہوتے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی بعض دفعہ حضرات صحابہ
کرامؓ فرما دیتے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہوتا رہا ہے اور آگے اس کی وضاحت بھی
کوئی نہیں ہوتی کہ اس سے منع کردیا گیا ہے اسکی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں ----

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کان فیما انزل من
القران عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول
اللہ وھی فیما یقرا من القرآن (مسلم ص ۴۶۹ ج ۱) کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا گیا
تھا کہ دس بار دودھ چوسنے کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے پھر اس کو منسوخ کرکے پانچ
بار چوسنے سے حرمت کا حکم اتارا گیا تو حضور ﷺ کی وفات بھی ہوگئی اور قرآن میں یہ پڑھا
جاتا تھا اس روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی قرآن کریم میں خمس

رضعات کی تلاوت کی جاتی رہی اور اس میں ذرا بھی وضاحت نہیں کی گئی کہ خمس رضعات کی تلاوتِ منسوخ ہو چکی تھی چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں ومعناہ النسخ بخمس رضعات تاخر انزالہ جدا حتی انہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی وبعض الناس یقرا خمس رضعات ویجعلھا قرانا متلوا لکونہ لم یبلغہ النسخ بقرب عہدہ فلما بلغھم النسخ بعد ذالک رجعوا عن ذالک واجمعوا علی ان ھذا لا یتلی (نووی شرح مسلم ص ۴۶۸ ج ۱) اور اس کا معنی یہ ہے کہ خمس رضعات کے منسوخ ہونے کا حکم بالکل آخری دور میں ہوا یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے وفات پائی اور بعض لوگ اس کو قرآن کریم کا حصہ قرار دیتے ہوئے اس کی قرات بھی کرتے تھے اس لیے کہ ان کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوا تھا، تو جب ان کو علم ہوا تو رک گئے اور اس پر اجماع ہوا کہ اس کی تلاوت نہیں کی جاسکتی اور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے (السراج الوہاج شرح مسلم ص ۵۷۷ ج ۱) اور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ خمس رضعات کی قرات آخر وقت میں منسوخ ہوگئی مگر چونکہ زمانہ اس کے نسخ کا حضرت کی وفات سے بہت قریب تھا اس لیے اس کے نسخ کی کیفیت کسی کو معلوم ہوئی کسی کو نہ معلوم ہوئی اور بعد میں مشہور ہونے نسخ کے پھر سب نے اجماع کیا کہ اس کو قرآن میں نہ پڑھنا چاہیے (مسلم مترجم ص ۶۸ ج ۴)

(۲) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کنا نتمتع علی عہد رسول اللہ بالثوب (مسند احمد ص ۲۲ ج ۳) کہ ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں کپڑے کے بدلے میں متعہ کیا کرتے تھے۔

(۳) حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کنا علی عہد رسول اللہ نستمتع بالقبضۃ من الطعام (ابو داؤد ص ۲۸۷ ج ۱) کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک مٹھی بھر طعام کے بدلہ میں متعہ کیا کرتے تھے۔

(۴) حضرت عطاؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ عمرہ کیلئے تشریف لائے تو ہم ان کے ٹھکانے میں ان کے پاس گئے تو لوگوں نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں پھر انہوں نے متعہ کا ذکر کیا تو حضرت جابرؓ نے فرمایا نعم استمتعنا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر (مسلم ص ۴۵۱ ج ۱) ہاں ہم نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں متعہ کیا کرتے تھے، اس پر امام نوویؒ فرماتے ہیں ھذا محمول علی ان الذی استمتع فی عھد ابی بکر و عمر لم یبلغہ النسخ (نووی شرح مسلم ص ۴۵۱ ج ۱) یہ اس پر محمول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں وہ لوگ متعہ کرتے تھے جن کو نسخ کا علم نہ ہوا تھا اور غیر مقلد نواب صدیق حسن خانؒ یہ عبارت لکھ کر آگے لکھتے ہیں وانما نھی عنہ عمر حین بلغہ النسخ (السراج الوہاج ص ۵۲۴ ج ۱) اور حضرت عمرؓ کو جب اس کے نسخ کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے منع کیا اور غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کو نسخ نہیں پہنچا وہ لوگ کرتے رہے اور جن کو نسخ پہنچ گیا وہ حرمت کے قائل ہوئے اور بچتے رہے (مسلم مترجم ص ۱۶ ج ۴)

ان روایات میں منسوخ اعمال کا تذکرہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں یہ ہوتے رہے مگر اس کی کوئی وضاحت نہیں کہ ان اعمال کو منسوخ کردیا گیا تھا۔ اس ساری بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ "علی عھد رسول اللہ ﷺ" کا یہ مطلب لینا کہ حضور علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اسی بحث کی روشنی میں دیکھیں کہ حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں بھی "علی عھد رسول اللہ ﷺ" کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضور علیہ السلام تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا فیصلہ فرماتے تھے اس لیے کہ یہ نص قرآنی اور صحیح احادیث کے مفہوم کے بالکل خلاف ہے۔

کھلا چیلنج

ہم نے دلائل کے ساتھ بتا دیا کہ "علی عھد رسول اللہ ﷺ" کا یہ مطلب ہرگز نہیں بنتا کہ حضور علیہ السلام فیصلہ فرماتے تھے۔ اس کے باوجود اگر غیر مقلدین حضرات کو اصرار ہے کہ نہیں حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں یہی مراد ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں یہ فیصلہ کیا کرتے تھے تو ہماری گزارش ہے کہ ان تینوں شخصیات کے ادوار میں صرف ایک ایک واقعہ صحیح سند کے ساتھ واضح الفاظ میں ثابت کردیں کہ فلاں فیصلہ حضور علیہ السلام نے اپنے دور میں فرمایا، فلاں فیصلہ اس کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دور میں اور فلاں فیصلہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت کے ابتدائی ایام میں فرمایا تب ان کا دعویٰ درست ہوسکتا ہے ورنہ یہ ہوائی قلعہ میں خود کو بے

شک محفوظ سمجھتے رہیں، اہل علم ان کی پوزیشن خوب جانتے ہیں ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

خوش نما لیبل

طلاق کے مسئلہ میں غیر مقلدین حضرات نے "علی عہد رسول اللہ ﷺ" کا خوش نما لیبل صرف سادہ لوح مسلمانوں کو مغالطہ دینے کیلئے استعمال کرنا شروع کرر کھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کو "علی عہد رسول اللہ ﷺ" کی ذرا بھی قدر اور رتی بھر احساس ہوتا تو اس کی لاج رکھتے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے ان المسجد کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم باللبن وسقفه الجرید وعمده خشب النخل فلم یزد فیه ابوبکرؓ شیئا وزاد فیه عمرؓ (مسند احمد ص ۱۳۰ ج ۲) بے شک نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد کچی اینٹوں کی تھی اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کا اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے پھر حضرت ابوبکرؓ نے اس میں کچھ اضافہ نہ کیا اور حضرت عمرؓ نے اضافہ تو کیا مگر اسی انداز کی بنائی جیسے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی پھر حضرت عثمانؓ اپنے دور میں اس کو پختہ اور خوبصورت انداز میں بنایا۔ اگر غیر مقلدین کو "علی عہد رسول اللہ ﷺ" کا اتنا ہی خیال ہے تو پھر کیوں تین تین منزلہ اور اونچے میناروں والی پختہ مساجد تعمیر کرتے جارہے ہیں اسی طرح کی مساجد بنائیں جیسے حضور علیہ السلام اور حضرات شیخین کے زمانہ میں تھیں اور اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(جاری ہے)

ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، پاکستان

مولانا حافظ عبد القدوس خان قارن
مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

تین طلاقوں سے متعلق غیر مقلدین کے مغالطات اور ان کے جوابات

(قسط دوم)

○ --- دوسرا مغالطہ ! کیا حضرت عمرؓ کو حکم شرعی منسوخ کرنے کا اختیار تھا؟

یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نہ تو کسی ایسے شرعی حکم کو تبدیل کیا جس کی وضاحت حضور نبی کریم ﷺ سے ہو چکی ہو اور نہ ہی ان کو ایسا کرنے کا اختیار تھا' ایسے مسائل جن میں حضرات صحابہ کرامؓ کی آراء مختلف پائی جاتی تھیں ان میں باہمی مشورہ کے بعد ان مسائل میں راجح اور قابل صورت کو متعین کیا جاتا رہا اور منسوخ پر عمل کرنے سے منع کردیا گیا' ان میں سے بعض مسائل ایسے ہیں جن میں بحث ومذاکرہ کے وقت ناسخ دلیل بالکل واضح صورت میں سامنے آگئی جیسا کہ متعہ یا انزال کے بغیر جماع کی صورت میں غسل کا وجوب اور اس قسم کے کئی دیگر مسائل ہیں اور بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن میں ترجیح کی ایسی مخفی صورت پائی جاتی ہے جو غور وفکر کے بعد ہی معلوم کی جاسکتی ہے جیسا کہ شراب کی حد کے بارہ میں اسی کوڑوں کی تعیین وغیرہ۔

غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کی کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ چالیس کوڑے سے لے کر اسی کوڑے تک آپ مارنے کا حکم دیا کرتے (حاشیہ ابو داؤد مترجم ص ۴۰۱ ج ۳) اور صاحب عون المعبود امام نوویؒ سے نقل کرتے ہیں کہ روایت میں جو الفاظ ہیں ضرب بجریدتین' نحوار بعین کہ دو ٹہنیوں کے ساتھ چالیس ماریں' امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس جملہ کا معنی یہ کیا ہے کہ دو علیحدہ علیحدہ ٹہنیوں کے ساتھ چالیس کی تعداد پوری کی اور دوسرے حضرات نے کہا کہ بیک وقت دو ٹہنیوں کے ساتھ چالیس ماری گئیں تو یہ اسی ہوگئیں (عون المعبود ص ۲۷۸' ۲۷۹ ج ۴)

حضرت عمرؓ کو تعذیر کا تو اختیار تھا مگر حد مقرر کرنے کا اختیار نہیں تھا اس لیے جب انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے سخت پہلو متعین کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے ثابت شدہ عمل کو ہی متعین کیا اپنی طرف سے کوئی حد مقرر نہیں کی اور نبی کریمؐ سے ثابت شدہ مختلف سزاؤں میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کا حضرات خلفاء راشدین کو اختیار تھا تو شراب کی حد حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے نہیں بڑھائی بلکہ آپ ﷺ سے اس بارہ میں ثابت شدہ افعال میں سے ایک کو متعین کیا ہے حالانکہ عام طور پر یہی مشہور کردیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے شراب کی حد مقرر کی' اور بعض روایات میں ہے کہ ایسے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے جب حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آدمی جب شراب پیتا ہے تو واہی تباہی بکتا ہے اور لوگوں پر تہمت بھی لگاتا ہے اور حد قذف اسی درے ہیں اس لیے شراب کی بھی یہی سزا مقرر کردینی چاہیے (دار قطنی ص ۳۵۴ ج ۲' موطا امام مالک ص ۳۵۷ وغیرہ)

اسی طرح حضرت عمرؓ کی دینی امور میں پابندی' علمی فوقیت' حضرات صحابہ کرامؓ سے اہم امور میں مشاورت' غلطی پر آگاہی پر اس کی اصلاح اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اگر ان کے بارہ میں غلط فہمی ہوجاتی تو برملا ان کے ٹوک دینے جیسی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مسلمان آدمی کا دل یقین رکھتا ہے کہ تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دینے کا فیصلہ صرف سیاسی طور پر نہ تھا بلکہ ان دلائل کی وجہ سے تھا جن پر مدار رکھ کر انہوں نے حضرات صحابہ کرام کی موجودگی میں تین طلاقوں کو ایک قرار دینے سے منع کردیا اور ان دلائل کی وضاحت حضرات علماء امت نے جمہور امت کے نظریہ کی تائید میں اپنی کتابوں میں کی ہے جو قرآنی اشارات اور واضح احادیث کی صورت میں موجود ہیں. اسی لیے علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کو اس لیے لے لیا گیا ہے کہ اس پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہوگیا تھا قلنا انما یقبل ذالک لانہ یستدل باجماعھم علی ناسخ واما انھم ینسخون من تلقاء انفسھم فمعاذ اللہ لانہ اجماع علی الخطاء وھم معصومون عن ذالک (فتح الباری ص ۲۷۹ ج ۱۱) تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ان کی یہ اجماعی بات اس لیے قبول کی گئی ہے کہ ان کا اجماع دلالت کرتا ہے کہ ان کے پاس ناسخ دلیل تھی ورنہ وہ خود معاذ اللہ منسوخ نہیں کرسکتے تھے اس لیے کہ اس صورت میں اجماع خطاء پر

ہوتا اور حضرات صحابہ کرامؓ اس سے معصوم ہیں۔

اگر غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان صاحب امہات الاولاد کی بیع کی ممانعت کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ پر اعتماد کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا (ابو داؤد مترجم ص ۲۲۰ ج ۳) تو طلاق کے مسئلہ میں کیوں اعتماد نہیں کرتے، جبکہ جس روایت کو غیر مقلد اپنے نظریہ پر پیش کرتے ہیں اس کے مرکزی راوی حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ میں شامل تھے اور اپنی مروی روایت کے برعکس فتویٰ دیتے رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ حضرات صحابہ کرامؓ کو اپنا خواب سنایا کہ میں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا پھر باقی ماندہ میں نے عمرؓ کو دے دیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ حضرت اس کی تعبیر کیا ہے تو فرمایا اس سے مراد علم ہے (بخاری ص ۵۲۰ ج ۱) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہلی امتوں میں کچھ محدث لوگ ہوتے تھے اگر میری امت میں سے کوئی ہوا تو عمرؓ ہوگا (بخاری ص ۵۲۱ ج ۱) اور بخاری شریف کے اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر ۸ میں لکھا ہے (۱) محدث اس کو کہتے ہیں جس کے دل میں ملا اعلیٰ کے فرشتوں کی جانب سے بات ڈالی جاتی ہے (شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنی آیات کے نزول سے پہلے ہی ان آیات کے احکامات کی خواہش حضرت عمرؓ کے دل میں پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ عورتوں کیلئے پردہ کا حکم، شراب کی حرمت اور حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی وغیرہ جیسے بیسیوں احکام ایسے ہیں کہ ان کے نزول سے پہلے ہی حضرت عمرؓ نے ان احکام کی خواہش ظاہر فرمائی۔ "قارن" (۲) محدث اس کو کہتے ہیں جس کی زبان پر حق اور صحیح بات ہی جاری ہو خواہ وہ اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔ (۳) محدث اس کو کہتے ہیں کہ وہ نبی تو نہ ہو مگر اس کے باوجود فرشتے اس کے ساتھ ہم کلام ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دینی امور میں پابندی

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو اپنی خواب سنائی کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو ان میں بعض کی قمیصیں چھاتیوں تک تھیں اور بعض کی اس سے کچھ نیچے اور جب

میرے سامنے عمرؓ کو پیش کیا گیا تو اس کی قمیص اتنی لمبی تھی کہ وہ اس کو گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا' حضرات صحابہ کرامؓ نے اس کی تعبیر پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد دین ہے (بخاری ص ۵۲۱ ج ۱) حضرت عمرؓ کے سامنے جب حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی لا نفقة ولا سکنی والی روایت پیش کی گئی تو فرمانے لگے ما کنا لندع کتاب ربنا وسنة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم لقول امراة (ابو داؤد ص ۳۱۳ ج ۱) کہ ہم ایک عورت کی بات کی وجہ سے اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے' اس مفہوم کی روایت (مسلم ص ۴۸۵ ج ۱ اور ترمذی ص ۲۲۳ ج ۱) وغیرہ میں بھی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرات صحابہ کرام سے مشورہ کرنا

حضرت عمرؓ حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر کے ہی اہم امور سرانجام دیا کرتے تھے اور طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں بھی مشورہ کر کے فیصلہ کیا تھا جس پر تمام صحابہ کرامؓ نے اتفاق کیا' کسی صحیح روایت سے کسی صحابی کا اس بارہ میں اختلاف منقول نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کو اگر غلطی پر آگاہ کیا جاتا تو وہ اس کی اصلاح کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مجنونہ عورت جس نے زنا کیا تھا اس کو پکڑ کر حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کر کے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا' جب رجم کرنے کیلئے لے جانے والوں کے پاس سے حضرت علیؓ گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ اس کو کہاں لے جا رہے ہو تو ان لوگوں نے بتایا کہ اس کو رجم کرنے کیلئے لے جا رہے ہیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو واپس لے جاؤ پھر وہ خود تشریف لائے تو فرمایا اے امیر المومنین! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی وہ مکلف نہیں ان میں سے ایک مجنون' دوسرا سویا ہوا اور تیسرا نابالغ بچہ ہے تو یہ عورت بھی مجنونہ ہے اس کو کیوں سزا دے رہے ہو؟ تو حضرت عمرؓ نے اس عورت کو رہا کر دیا' فجعل عمر یکبر (ابو داؤد ص ۲۴۸ ج ۲) پھر حضرت عمرؓ نے (خوشی سے) کلمہ تکبیر کہنا شروع کر دیا اور بعض روایت میں ہے کہ ایسے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے فرمایا! لو لا علی لھلک عمر اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر برباد ہو جاتا۔

اسی طرح ایک روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کہا اے امیر المومنین! میں اپنی عورت سے دو سال غائب رہا تو جب میں واپس آیا تو وہ حاملہ تھی یعنی

میرے خیال میں اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو حضرت عمرؓ نے مشورہ کرکے عورت کے رجم کا فیصلہ کیا تو وہاں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے وہ کہنے لگے اے امیر المومنین! آپ عورت کو تو سزا دے سکتے ہیں مگر اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو کیوں سزا دے رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے وقتی طور پر اس عورت کو رہا کردیا اور فرمایا کہ جب یہ بچہ جنم دے دے تو پھر اس کو لے کر آنا' جب اس عورت نے بچے کو جنم دیا تو وہ اپنی ماں کے پیٹ میں اتنی دیر رہا تھا کہ اس کے سامنے والے دانت نکل چکے تھے اور اس بچے کی شکل بھی باپ کی طرح تھی تو وہ آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آکر کہنے لگا رب کی قسم وہ بچہ میرا ہی ہے (یعنی وہ عام عادت سے زائد ماں کے پیٹ میں رہا ہے) تو جب یہ صورت حال حضرت عمرؓ نے دیکھی تو فرمایا کہ عورتیں معاذ جیسا بچہ جننے سے عاجز آگئی ہیں لو لا معاذ ھلک عمر (دار قطنی ص ۳۲۲ ج ۳) کہ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر برباد ہو جاتا اور حضرت عمرؓ کو منبر پر بیٹھے ہوئے روکا جاتا ہے کہ خطبہ تب سنیں گے جب آپ یہ بتائیں گے کہ جو کرتہ آپ نے پہنا ہوا ہے وہ کہاں سے آیا' حضرت عمرؓ کی بعض ذاتی آراء و فقہی و جزئی مسائل میں اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر جو معاملات انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے طے کرکے اجماعی حیثیت میں نافذ فرمائے ان میں ان کی علمی حیثیت' دین داری اور حضرات صحابہ کرامؓ سے مشاورت وغیرہ جیسے مجموعی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقلدین تو دل کی گہرائیوں سے اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے قرآن و سنت سے جو کچھ سمجھا اور حضرات صحابہ کرامؓ نے ان کی تائید کی وہی قرآن و سنت کی تعبیر ہے اور اسی کی وجہ سے انہوں نے تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا جبکہ حضرات محدثین کرام میں سے بہت سے حضرات نے عنوان ہی یوں قائم کیا ہے کہ پہلے تین طلاقوں کے بعد رجوع درست تھا بعد میں منسوخ ہوگیا جیسے (ابو داؤد ص ۲۹۸ ج ۱) میں ہے باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث (اور اسی طرح نسائی ص ۱۰۳ ج ۲) تین طلاقوں کے بعد رجوع کے منسوخ ہونے کا بیان' اس لیے ہمارا تو شرح صدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی اجماعی رائے کے ساتھ جو فیصلہ کیا وہ قرآن و سنت کے بالکل مطابق تھا انہوں نے حکم شرعی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ ان کے پاس ناسخ دلیل تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اس کے منسوخی پر عمل کرنے سے منع کردیا' غیر مقلدین حضرات اگر امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کی پیروی میں حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ

کو غلط قرار دیتے ہیں تو ان کا ایمان و اعتقاد، ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

○ — تیسرا مغالطہ! کہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ پر عمل کرنا چاہیے نہ کہ حضرت عمرؓ کے۔

یہ تاثر بھی بالکل غلط دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا وہ حضور علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف تھا اس لیے کہ ٹھوس دلائل اس پر موجود ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے تین طلاقوں کو تین ہی نافذ کیا تھا، تفصیل کیلئے "عمدۃ الاثاث" اور علامہ کوثریؒ کی "الاشفاق فی احکام الطلاق" اور خیر الفتاوی کی پانچویں جلد کا ضرور مطالعہ کریں۔

○ — چوتھا مغالطہ! کہ آخر عمر میں حضرت عمرؓ اپنے فیصلے پر نادم ہو گئے تھے۔

غیر مقلدین حضرات علامہ ابن القیمؒ کی ایک عبارت پیش کر کے مغالطہ دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ آخری عمر میں طلاق کے مسئلے میں اپنے فیصلہ پر نادم ہو گئے تھے، علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں قال الحافظ ابوبکر الاسماعیلی فی مسند عمر اخبرنا ابو یعلی حدثنا صالح بن مالک حدثنا خالد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ قال قال عمر بن الخطاب ماندمت علی شیئی ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق وعلی ان لا اکون انکحت الموالی وعلی ان لا اکون قتلت النوائح (اغاثۃ اللھفان ص ۳۵۱ ج ۱) کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے جتنی ندامت تین چیزوں پر ہوئی ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں ہوئی، ایک اس پر کہ میں نے طلاق کو حرام نہ کیا ہوتا اور دوسری اس پر کہ میں نے موالی میں نکاح نہ کیا ہوتا اور تیسری اس پر کہ میں نے نوحہ کرنے والی عورتوں کو مارا نہ ہوتا۔ اول تو اس کی سند میں خالد بن یزید راوی ہیں جس کی وجہ سے اس روایت کو قبول ہی نہیں کیا جاسکتا، اگر بالفرض یہ روایت ثابت بھی ہو تو جو مفہوم علامہ ابن القیمؒ نے لیا ہے اور غیر مقلدین حضرات اس کو بیان کرتے ہیں اس کا نہ تو روایت میں کوئی قرینہ ہے اور نہ ہی الفاظ اس مفہوم کا ساتھ دیتے ہیں اس لیے کہ الفاظ ہیں ان لا اکون حرمت الطلاق کہ میں نے طلاق کو حرام نہ کیا ہوتا تو حضرت عمرؓ نے جو فیصلہ کیا تھا اس میں تین طلاقوں کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ نافذ اور جاری کیا تھا، روایات میں اجاز اور امضی کے الفاظ ہیں (ملاحظہ ہو مسلم ص ۴۷۸ ج ۱ اور مسند احمد ص ۳۱۴ ج ۱ وغیرہ) اور اگر یہ تاویل کریں کہ حرمت الطلاق کا مطلب یہ ہے تین طلاقوں کے بعد رجوع کو حرام کیا تھا تو یہ تاویل ظاہر الفاظ سے بالکل متصادم ہے بظاہر الفاظ سے یہی متبادل ہوتا ہے کہ جس طرح بعد والے دو افعال انکحت

الموالی اور قتلت النوائح ان کے ذاتی افعال ہیں اسی طرح یہ بھی کوئی ذاتی نوعیت کا فعل ہے، اس کا دوسرے لوگوں پر جاری کرنے کا تعلق نہیں ہے۔

پھر علامہ ابن القیمؒ جیسا صاحب علم اور ذہین آدمی اس رواروی میں یہ بات بھی بالکل نہ سوچ سکا کہ جب وہ حضرت عمرؓ کو مجتہد قرار دے رہے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد سے فیصلہ کیا تھا تو کیا اگر مجتہد کو اپنے اجتہاد کے خلاف قوی دلیل مل جائے تو کیا اس کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ وہ نادم ہو اور اپنے اجتہادی فیصلہ کو بھی برقرار رکھے بلکہ اصول کے مطابق مجتہد کیلئے واجب اور ضروری ہوجاتا ہے کہ جس دلیل پر اپنے اجتہادی مسئلہ کا مدار رکھا تھا اگر اس سے قوی دلیل اس کو مل جائے تو وہ اپنے پہلے اجتہادی نظریہ کو چھوڑ دے یہی وجہ ہے کہ حضرات ائمہ کرام مجتہدین کے ایک ہی حادثہ میں کئی کئی اقوال ملتے ہیں، پہلے ایک نظریہ اپنانا پھر اس سے قوی دلیل مل گئی تو اس کو چھوڑ کر دوسرا نظریہ اختیار کرلیا، اگر واقعتاً حضرت عمرؓ نادم ہوگئے تھے تو ان کو کس نے روکا تھا کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی نہ کریں، بلکہ ان کیلئے ضروری تھا کہ وہ پہلا حکم منسوخ کرکے دوسرا حکم جاری کرتے اس لیے کہ ان ہی کی پیروی میں ان کے زیر نگرانی قاضیوں اور مفتیوں نے اور پھر ان کے بعد دیگر خلفاء راشدینؓ نے فیصلہ جات کرنے تھے، جب حضرت عمرؓ نے اپنا پہلا حکم منسوخ کرکے دوسرا حکم جاری نہیں کیا اور قطعاً نہیں کیا تو یہ بات اٹل ہے کہ یہ روایت اور اس روایت کا غیر مقلدین حضرات کی جانب سے بیان کردہ مفہوم بالکل من گھڑت ہے پھر غیر مقلد علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ قانون سازی کی ہے، حضرت عمرؓ نے تین طلاقوں کو جائز قرار دیا تھا یہ کہاں ہے یہ تو ہم نے آج تک نہیں پڑھا ــــ الخ، تو عرض ہے کہ ہم نے (مسند احمد ص ۳۱۴ ج ۱ اور مسلم ص ۴۷۸ ج ۱) سے یہ الفاظ نقل کردیئے فاجاز اور فامضا کہ اس کو جائز کیا اور ان کو نافذ کیا اس سے زیادہ وضاحت کیا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہتان

بعض غیر مقلد علماء یہ بھی کہتے رہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ ہمیں یہ چاہیے تھا کہ ہم ویسے کہتے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا چونکہ حرام ہے اس لیے کوئی نہ دے ہمیں یہ پابندی لگانی چاہیے تھی شاید لگ جاتی، قانون سازی نہیں کی ـــ الخ، تو ہم بصد ادب واحترام

ان حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ کسی ایک معتبر حوالہ سے یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے ثابت کردیں کہ انہوں نے یہ الفاظ فرمائے ہوں اور اگر ثابت نہ کرسکیں اور یقیناً" ثابت نہ کرسکیں گے تو پھر ہماری گزارش یہ ہے کہ قرآن وسنت کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا میں مبتلا کرنے کی عادت ترک کردیں اور اپنے بے بنیاد نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے بزرگان دین کی جانب غلط باتیں منسوب نہ کریں اللہ تعالیٰ صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○ -- پانچواں مغالطہ! کہ جب تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے تو پھر نافذ کیوں مانتے ہیں؟

غیر مقلدین حضرات کا یہ کہنا بھی صرف ظاہری طور پر ہے اور مغالطہ دینے کیلئے ہے ورنہ تین طلاقیں اکٹھی دینے کی صورت میں علی الاطلاق اس کے نفاذ کا انکار تو وہ بھی نہیں کرتے اس لیے کہ ان کے علی الاطلاق انکار کا نظریہ تو شیعہ حضرات کا ہے، غیر مقلدین حضرات تین طلاقوں کو نافذ مانتے ہیں مگر ایک قرار دے کر، مقلدین حضرات تین طلاقوں کو تین ہی نافذ مانتے ہیں اور غیر مقلدین تین طلاقوں کو ایک نافذ مانتے ہیں یا تو شیعہ کی طرح صاف کہیں کہ نافذ نہیں ہوتیں، جب یہ نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ایک نافذ ہوتی ہے تو نافذ ہونا تو مان لیا پھر اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ ہر ممنوع چیز کا حکم فاسد نہیں ہوتا بلکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ممنوع ہونے کے باوجود ان کا حکم پایا جاتا ہے اور احادیث میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں ----

۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نهی ان یستام الرجل علی سوم اخیه (مسلم ص ۳ ج ۲) اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرنے سے منع فرمایا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ ایک آدمی کے سودا کرنے کے دوران سودا کرنا منع ہے فلو خالف وعقد فهو عاص وينعقد البيع (نووی شرح مسلم ص ۳ ج ۲) اگر کسی نے مخالفت کی اور ایسا عقد کرلیا تو گناہ گار ہوگا مگر بیع منعقد ہوجائے گی اور اسی کے مطابق نواب صدیق حسن خان صاحبؒ نے (السراج الوہاج ص ۱۷ ج ۲) میں کہا ہے۔

۲) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں نهی رسول الله ان يتلقى الركبان وان يبيع الحاضر لباد (مسلم ص ۴ ج ۲) نبی کریم ﷺ نے تلقی رکبان سے اور اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا سامان بیچے، امام نوویؒ فرماتے ہیں ولو خالف وباع الحاضر للبادی صح البيع مع التحريم (نووی شرح مسلم ص ۴ ج ۲) اور اگر کسی نے

مخالفت کی اور شہری نے دیہاتی کا سامان بیچا تو حرام ہونے کے باوجود بیع صحیح ہوگی اور اسی کے مطابق نواب صدیق حسن خان صاحب (السراج الوہاج ص ۱۸ ج ۲) اور مبارک پوری نے (تحفۃ الاحوذی ص ۲۳۱ ج ۲) میں کہا ہے۔

۳) تلقی رکبان سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس کے باوجود نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ظاہر بات تو یہی ہے کہ اس نہی کے باوجود بیع فاسد نہیں ہوتی (السراج الوہاج ص ۱۷ ج ۲) اور مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں فیہ دلیل علی صحۃ البیع (تحفۃ الاحوذی ص ۲۳۱ ج ۲)

۴) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن النجش (مسلم ص ۳ ج ۲) بے شک نبی کریم ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے' نواب صاحب فرماتے ہیں وھذا حرام بالاجماع والبیع صحیح (السراج الوہاج ص ۱۶ ج ۲) کہ نجش بالاجماع حرام ہے مگر اس کے باوجود سے بیع صحیح ہے' اس قسم کی بے شمار مثالیں احادیث میں ملتی ہیں اس لیے یہ جاننا کہ کس قسم کی ممانعت میں حکم کا فساد آتا ہے اور کس قسم کی ممانعت کے ساتھ حکم کا فساد نہیں آتا ان معلومات کیلئے حضرات فقہاء کرام کی خدمت میں حاضری دینا اور ان کی خوشہ چینی کی ضرورت ہے جیسے حیض کی حالت میں طلاق خلاف سنت ہونے کے باوجود معتبر ہوتی ہے اسی طرح اکٹھی دی گئی تین طلاقیں بھی خلاف سنت ہونے کے باوجود معتبر ہیں۔

○ --- چھٹا مغالطہ ! کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت مسلم شریف میں ہے اور صحیح ہے اس کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

غیر مقلدین حضرات کا یہ بھی صرف مغالطہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خود غیر مقلد عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی صاحبؒ نے اس روایت پر دس اعتراضات کئے ہیں ——

(۱) اس روایت میں مجلس واحد کا ذکر ہی نہیں اور مسند احمد کی جس روایت میں مجلس واحد کا ذکر ہے وہ صحیح نہیں۔ (۲) محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ (۳) اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ یہ تین طلاقوں والے مقدمات رسول اللہ ﷺ اور شیخین کے سامنے پیش ہو کر فیصلہ ہوتا تھا اور یہ کسی روایت میں نہیں ہے۔ (۴) مسلم شریف ہی کی حضرت جابرؓ کی روایت

ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ متعہ کیا کرتے تھے تو پھر متعۃ النساء بھی جائز ہوا۔ (۵) اس حدیث پر محدثین نے اور بھی کئی وجوہ سے کلام کیا ہے۔ (۶) محدثین کی طرف مجلس واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں بھی کلام ہے یہ سخت مغالطہ ہے۔ (۷) محدثین نے مسلم کی حدیث مذکورہ کو شاذ بھی بتایا ہے۔ (۸) اس میں اضطراب بھی بتایا ہے۔ (۹) ابن عباسؓ کی مسلم کی حدیث مذکور مرفوع نہیں یہ بعض صحابہ کا فعل ہے جن کو نسخ کا علم نہ تھا۔ (۱۰) یہ حدیث بظاہرہ کتاب وسنت صحیحہ واجماع صحابہ وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے لہٰذا حجت نہیں (تفصیل کیلئے دیکھیں فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۱۶ تا ۲۲۰ ج ۲) غیر مقلد شیخ الحدیث صاحب کا بیان اس وقت کا ہے جبکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفیؒ، محدث گوندلویؒ اور مولانا عبدالقادر روپڑیؒ جیسی شخصیات موجود تھیں مگر کسی کو بھی اپنے اس شیخ الحدیث صاحب کو مطمئن کر کے اس بیان سے رجوع پر آمادہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

امام ابن تیمیہؒ نے جب تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا فتویٰ دیا تو اس وقت جن علماء نے ان کی بھرپور تردید کی ان میں حافظ شمس الدین ذہبیؒ بھی ہیں جن کو جرح وتعدیل اور فن حدیث میں ممتاز حیثیت حاصل ہے، امام ابن تیمیہؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی اسی مسلم شریف والی روایت کو دلیل میں پیش کیا ہے اگر یہ روایت فی الواقع امام ابن تیمیہؒ کے نظریہ کی دلیل بن سکتی تو پھر علامہ ذہبیؒ ان کی مخالفت نہ کرتے اگر ساتھ نہیں دے سکتے تھے تو کم از کم خاموش ہی رہتے جبکہ حال یہ ہے کہ کھل کر مخالفت کرنے والوں میں ان کا نام بھی شمار ہے جو اس کی واضح دلیل ہے کہ اس روایت سے ان کا استدلال درست نہ تھا۔

اگر مسلم شریف کی حضرت ابن عباسؓ والی اس روایت کو بالکل بے غبار بھی سمجھ لیا جائے تو فن حدیث کے رو سے پھر بھی اس سے استدلال درست نہیں ہے اس لیے کہ جب خود حضرت ابن عباسؓ اپنی مروی اس روایت کے خلاف فتویٰ دیتے تھے تو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک بھی منسوخ تھی چنانچہ انما الماء من الماء والی روایت پر بحث کرتے ہوئے محدث مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ جن صحابہ کرامؓ سے یہ روایت ہے کہ ان کے فتوے اس کے خلاف پائے جاتے ہیں تو بعض حضرات نے اس وجہ سے اس روایت کو شاذ کہا تو محدث مبارک پوریؒ جواب دیتے ہیں کہ روایت سند کے اتصال اور رواۃ کے

حفظ کی وجہ سے ثابت ہے باقی رہا یہ کہ خود روایت کرنے والوں کے فتوے اس کے خلاف ہیں تو اس کی وجہ سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا لاحتمال انه ثبت عندهم ناسخة فذهبوا اليه وكم من حديث منسوخ وهو صحيح من حيث الصناعة الحديثية انتهى كلامه (تحفۃ الاحوذی ص ۱۱۲ ج ۱) اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ ان کے پاس ناسخ دلیل ہو انہوں نے اس کو لے لیا ہو اور کتنی ہی احادیث ایسی ہیں جو منسوخ ہیں مگر فن حدیث کے لحاظ سے وہ صحیح ہیں۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ روایت بے غبار بھی ہے تب بھی ناقابل استدلال ہے اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ خود اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔

○ — ساتواں مغالطہ! کہ احناف اس بات کے قائل ہیں کہ بوقت ضرورت دوسرے ائمہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے تو ایسی حالت میں غیر مقلدین حضرات کے فتوے کو کیوں تسلیم نہیں کرتے۔

اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کے مطابق عمل کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ اس سے اپنے مذہب کی رو سے کوئی کراہت لازم نہ آتی ہو (رد المختار ص ۱۳۷ ج ۱) اور طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں کراہت نہیں بلکہ کھلم کھلا حرمت لازم آتی ہے' صرف اپنی خواہشات نفسانیہ کی خاطر اپنے مسلک کو چھوڑ کر دوسرے پر عمل کرنا درست نہیں ہے' امام عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ ایک آدمی نے طلاق کے ساتھ قسم اٹھائی کہ میں شادی نہیں کروں گا پھر اس کو شادی کرنے کا خیال ہوا تو جو فقہاء اس مسئلہ میں اجازت دیتے ہیں تو کیا وہ آدمی ان کے قول پر عمل کرسکتا ہے تو عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ اگر اس صورت حال میں مبتلا ہونے سے پہلے بھی اس نظریہ کو حق سمجھتا تھا تو اس کیلئے ان کے قول کے مطابق عمل کرنا درست ہوگا اور اگر اس سے پہلے اس نظریہ کو پسند نہیں کرتا تھا اور اس صورت حال میں مبتلا ہوکر پسند کرنے لگ گیا فلا اری له ذالک (ترمذی ص ۲۲۳ ج ۱) تو اس کیلئے یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جس کا نظریہ ہی یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں اور اسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو بے شک ان علماء سے فتویٰ لے جو تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں اور اگر طلاقیں دینے سے پہلے وہ تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا قائل نہیں تھا تو اس کے لیے ایسے مفتیوں کا فتویٰ بالکل درست نہیں ہوگا جو

تین طلاقوں کو ایک کہتے ہیں اس لیے کہ یہ محض خواہش نفس کی تکمیل ہے۔

○ — آٹھواں مغالطہ ! نادانی اور جہالت سے بیک وقت تین طلاقیں دینے والا جب غیر مقلدین علماء کرام کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کو حلالہ سے یوں ڈراتے ہیں جس طرح عورتیں بچوں کو کوہ قاف کے جنات اور پریوں کے واقعات سنا کر ڈراتی ہیں حالانکہ حلالہ سے انکار خود غیر مقلدین حضرات کو بھی نہیں چنانچہ غیر مقلد عالم سے سوال ہوا کہ حلالہ کیا ہے اور اس کی تشریح کیا ہے تو جواب دیا گیا کہ جس عورت کو تین طلاقیں ملی ہوں خواہ کئی سال میں پوری ہوئی ہوں وہ خاوند پر حرام ہو جاتی ہے' اگر دوسرا نکاح کر کے دوسرے خاوند سے ہم بستر ہو جائے' یہ خاوند ناموافقت کی وجہ سے اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو پہلے خاوند کیلئے نکاح کے ساتھ حلال ہے' قرآن مجید میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا" غیرہ یعنی اگر خاوند عورت کو تیسری طلاق دیدے تو اب اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ اور جو لوگ دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کے وقت شرط کر لیتے ہیں کہ اس عورت کو تنہائی کے بعد طلاق دے دینی ہوگی یا ایک دفعہ دونوں کو مکان کے اندر داخل کر کے دروازہ بند کر دیتے ہیں پھر جلد دروازہ کھول کر مرد کو طلاق کیلئے مجبور کرتے ہیں یا طمع دی اور اس نے ڈر کے مارے یا طمع سے طلاق دے دی تو یہ شرعاً" حلالہ نہیں ایسا کرنے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے' عبداللہ امرتسری روپڑی مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ ضلع انبالہ (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۲۲ ج ۳)

حلالہ کی تین صورتیں

حضرات علماء کرام اور شارحین حدیث نے حلالہ کی تین صورتیں بیان کی ہیں !!!

(پہلی صورت) حلالہ کی اصل صورت تو یہی ہے کہ دوسرے خاوند سے نکاح کے وقت پہلے خاوند کیلئے حلال کرنے کی نہ شرط ہو اور نہ ہی اس کا ارادہ ہو۔

(دوسری صورت) کہ جب دوسرے خاوند سے عورت کا نکاح کیا جا رہا ہو تو پہلے خاوند کیلئے حلال کرنے کی شرط تو نہ ہو مگر پہلے خاوند یا عورت یا دوسرے خاوند میں سے کسی ایک کی نیت پہلے خاوند کیلئے حلال کرنے کی ہو تو ایسی حالت میں دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح درست ہوگا مگر مکروہ ہوگا چنانچہ (غیر مقلد محدث مبارک پوری صاحب" لکھتے ہیں قال

الخطابی فی المعالم اذا کان ذالک عن شرط بینهما فالنکاح فاسد لان العقد متناه الی مدة کنکاح المتعة واذا لم یکن شرطا وکان نیة وعقیدة فهو مکروه فان اصابها الزوج ثم طلقها فاذا انقضت العدة حلت للزوج الاول وقد کره غیر واحد من العلماء ان یضمرا اوینویا اوا احدهما التحلیل وان لم یشترطاه (تحفۃ الاحوذی ص ۱۸۶ ج ۲) امام خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اگر دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کے وقت پہلے خاوند کیلئے عورت کو حلال کرنے کو شرط قرار دیا ہو تو دوسرے خاوند کے ساتھ عورت کا نکاح فاسد ہوگا اس لیے کہ نکاح متعہ کی طرح اس میں بھی نکاح کے اختتام کی ایک مدت مقرر کی گئی ہے اور اگر شرط قرار نہ دی ہو مگر نیت اور ارادہ ہو تو یہ مکروہ ہے پھر اگر نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے اس عورت سے ہم بستری کرلی پھر طلاق دے دی اور اس عورت کی عدت گزر گئی تو پہلے خاوند کیلئے وہ عورت حلال ہوجاتی ہے اور بہت سے علماء نے کہا کہ اگر شرط نہ بھی قرار دی ہو مگر دونوں کا یا ان میں سے ایک کا ارادہ تحلیل کا ہو تو تب بھی مکروہ ہے اور غیر مقلد نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں وقال الاکثر ان شرط ذالک فی العقد فسد والا فلا (السراج الوہاج ص ۵۵۴ ج ۱) اگر دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح میں تحلیل کو شرط قرار دیا ہو تو اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ نکاح فاسد ہوگا ورنہ نہیں اور اس کا اشارہ حدیث کے الفاظ میں بھی ملتا ہے کہ جب حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس عورت نے دوسرے خاوند عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کرلیا تو پھر وہ عورت حضور علیہ السلام کے پاس آئی اور دوسرے خاوند سے اپنی ناموافقت کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اتریدین ان ترجعی الی رفاعة (ترمذی ص ۲۱۳ ج ۱) وغیرہ کیا تو رفاعہ کی جانب لوٹنا چاہتی ہے' دوسرے خاوند کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھی عورت کا ارادہ پہلے خاوند کی جانب لوٹنے کا تھا اور آپ ﷺ نے محسوس بھی فرمالیا مگر اس عورت کو کچھ تنبیہہ وغیرہ نہ کی کہ موجودہ خاوند کے نکاح میں ہوتے ہوئے پہلے خاوند کی جانب لوٹ جانے کا ارادہ تو کیوں کر رہی ہے جب آپ نے تنبیہہ وغیرہ کچھ نہیں فرمائی تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد پہلے خاوند کی جانب لوٹ جانے کا ارادہ ہو جس کو تحلیل کا ارادہ قرار دیا جاسکتا ہے تو اس سے دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑتا جب اس کا نکاح درست ہے تو اگر یہ خاوند ہم بستری کے بعد عورت کو طلاق دے دیتا

ہے تو پہلے خاوند کیلئے وہ عورت حلال ہوجائے گی اور یہی نظریہ احناف کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہی نظریہ امام شافعی کا بھی ہے (تحفة الاحوذی ص ۱۸۶ ج ۲)

تیسری صورت ! کہ دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کے وقت پہلے خاوند کیلئے اس عورت کو حلال کرنا شرط قرار دیا ہو تو اس میں فقہاء کرام کے نظریات مختلف ہیں اکثر حضرات کے نزدیک اس شرط کی وجہ سے نکاح فاسد ہوگا مگر امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ شرط چونکہ نکاح کے مقتضی سے زائد ہے اس لیے شرط باطل ہوگی اور نکاح درست ہوگا اس صورت میں خود احناف میں بھی اختلاف ہے حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فان شرط فیہ الطلاق بعد الدخول فیہ خلاف والا ظہر بطلانہ (مرقات ص ۲۹۸ ج ٦) اگر دوسرے خاوند سے نکاح میں ہم بستری کے بعد طلاق کو شرط قرار دیا تو اس صورت میں علماء کرام کا اختلاف ہے اور زیادہ ظاہر یہی بات ہے کہ نکاح باطل ہے' امام ابو حنیفہؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اگر شرط تحلیل کے ساتھ نکاح کیا ہو تو شرط باطل اور نکاح صحیح ہوگا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط مقتضاء عقد سے زائد ہے اس لیے کہ نکاح کے ارکان صرف ایجاب وقبول ہیں چنانچہ غیر مقلد عالم سے سوال ہوا کہ نکاح کے فرائض کتنے ہیں تو جواب دیا نکاح میں خطبہ ایجاب وقبول کم سے کم دو گواہ اور مہر ضروری چیزیں ہیں پھر اس جواب پر مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا شرف الدین صاحب نے شرفیہ کا عنوان قائم کرکے لکھا ایجاب وقبول کے سوا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اصل یہی دو فرض ہیں باقی حصہ مسنون ہے اس کے سوا بھی منعقد ہوجائے گا ہاں خلاف سنت ہوگا (فتاویٰ ثنائیہ ص ۳۳۰ ج ۲) اگر عورت محل نکاح ہو یعنی شریعت نے اس سے نکاح کی اجازت دی ہو تو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور جن حضرات کے نزدیک ولی کا ہونا ضروری ہے تو ان کے نزدیک ولی کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے گواہوں کے سامنے نکاح منعقد ہوجائے گا اس لیے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ پہلے خاوند کیلئے حلال کرنے کی شرط سے دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی صورت میں یہ شرط باطل ہوگی اور نکاح کے ارکان اور شرائط ضروریہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح ہوجائے گا اور اس کی تائید میں وہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے سامنے معاملہ پیش ہوا جس میں بشرط التحلیل نکاح ہوا تھا تو

حضرت عمرؓ نے دوسرے خاوند سے فرمایا کہ خبردار اس عورت کو اپنے نکاح سے فارغ نہ کرنا (بحوالہ اعلاء السنن ص ۲۱۹ ج ۱۱) اگر ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا تو حضرت عمرؓ نے اس خاوند کو اپنے نکاح میں برقرار رکھنے کی تلقین کیوں فرمائی بہرحال حلالہ کی یہ صورت مختلف فیہ ہے اس لیے اس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے مگر علی الاطلاق حلالہ کی حیثیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی غیر مقلدین حضرات اس کے منکر ہیں جیسا کہ باحوالہ ذکر کردیا گیا ہے۔

حلالہ لعنتی کام ہے

حلالہ کی تمام صورتوں کے لعنتی ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اگر خاوند نے عورت کو تین طلاقیں دیں اور عدت گزرنے کے بعد عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور نکاح کے وقت پہلے خاوند کیلئے اس عورت کو نہ حلال کرنا شرط قرار دیا اور نہ ہی اس کی نیت کی مگر دوسرے خاوند نے ناموافقت کی وجہ سے از خود طلاق دے دی اور عدت گزر جانے کے بعد وہ عورت پہلے خاوند سے نکاح کرلے تو یہ ہے تو حلالہ مگر کسی کے نزدیک بھی یہ لعنت کے تحت داخل نہیں اور اگر دوسرے خاوند سے نکاح کے وقت پہلے خاوند کیلئے حلال کرنے کی شرط تو نہیں لگائی مگر نیت وارادہ ہو تو اکثر علماء کے نزدیک یہ صورت بھی لعنت کے تحت نہیں آئی اور اگر دوسرے خاوند سے نکاح کے وقت پہلے خاوند کیلئے حلال کرنا شرط قرار دیا ہو تو یہ صورت لعنت والی ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔

اشکال اور اس کا جواب

اشکال یہ ہے کہ جب بشرط التحلیل دوسرے خاوند سے نکاح لعنتی فعل ہے اور اس کے باوجود امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نکاح درست ہے تو لعنت کے ساتھ اس کا جواز کیسے درست ہوسکتا ہے۔

جواب

احادیث میں کئی افعال ایسے ہیں جن کے ارتکاب پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اس کی وجہ سے ان افعال سے روکنا مقصود ہے ان میں سے بعض افعال ایسے ہیں جن کی قباحت

قرآنی نص سے ثابت ہے اور بعض افعال ایسے ہیں جن کی قباحت احادیث سے ثابت ہے، جن افعال کی قباحت قرآنی نص سے ثابت ہے ان میں سے ایک سود ہے کہ اس کے بارے میں فرمایا گیا فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (پارہ ۳ سورۃ البقرہ آیت ۲۷۹) پس اگر تم سودی لین دین سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کیلئے تیار ہوجاؤ، اس کی قباحت سب سے سخت ہے اور اس سودی فعل میں قباحت ذاتی ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اس بارہ میں سود لینے دینے والوں کے علاوہ اس کے کاتب اور گواہوں پر بھی لعنت فرمائی ہے (ترمذی ص ۲۲۹ ج ۱) سودی لین دین بھی حرام ہے اور اس کے ذریعہ سے خریدی گئی چیز بھی حرام ہے مگر اس چیز سے کسی حد تک فائدہ اٹھانا غیر مقلدین حضرات کے نزدیک درست ہے چنانچہ ایک سوال ہوا اگر کوئی مدرسہ سود کے روپے سے خریدا جائے تو اس میں قرآن وحدیث کی تعلیم جائز ہے یا نہیں تو جواب دیا گیا یہ سوال دو پہلو رکھتا ہے، ایک یہ کہ سود سے حاصل کیا ہوا روپیہ مراد ہے یا سودی قرضہ پر لیا ہوا، روپیہ یہ دونوں صورتوں میں موجب گناہ ہیں لیکن تعلیم وہاں جائز ہے (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۸ ج ۲) اگر سود کی رقم سے عمارت تعمیر کرنا گناہ ہے مگر اس میں تعلیم درست ہے تو اگر امام ابو حنیفہؒ نے یہ فرما دیا ہے کہ تحلیل کی شرط موجب گناہ ہے مگر اس کے باوجود نکاح درست ہے تو اس میں کیا حرج ہے، جن افعال کی قباحت نص قرآنی سے ثابت ہے ان میں جھوٹ بھی ہے، قرآن کریم میں ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین (پارہ ۱۸ سورۃ النور آیت نمبر ۷) "جھوٹوں پر اللہ کی لعنت" جھوٹ قبیح ہونے کے باوجود مقام اور اس کے نتیجے کے لحاظ سے اس کی قباحت میں درجات ہیں چنانچہ غیر مقلد عالم سے سوال ہوا زید کا اعتقاد وقول وعمل ہے کہ جھوٹ سب برابر نہیں ہیں، کوئی جھوٹ مناسب مقام پر جائز، کوئی گناہ صغیرہ اور کوئی کبیرہ، کوئی لغو اور کوئی شرک۔ تو جواب دیا ہے کہ جھوٹ اپنی اصلیت اور حقیقت کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے مگر نتائج کے لحاظ سے اس میں شدت وضعف آجاتا ہے، مثلاً" دو مسلمانوں یا میاں بیوی میں مصالحت کرانے کو جھوٹ بولنا نتیجہ کے لحاظ سے قابل معافی ہے (فتاویٰ ثنائیہ ص ۸۵ ج ۲) جھوٹ لعنتی فعل ہے مگر مصالحت کیلئے اس کا ارتکاب کیا جاسکتا ہے اسی طرح احادیث میں کئی افعال ایسے بیان کیے گئے ہیں جن پر لعنت کی گئی ہے مثلاً" حلقہ کے درمیان بیٹھنا (ترمذی ص ۱۰۴ ج ۲) قوم کے ناپسند قرار دینے کے باوجود ان کی امامت کرانے والا امام (ترمذی ص

۱۸۲ ج ۱) خاوند کی نافرمان عورت (ترمذی ص ۸۳) اذان سن کر نماز کیلئے نہ آنے والا (ترمذی ص ۸۳ ج ۱) ان میں مقصد ان افعال سے منع کرنا ہے لیکن اگر کوئی ان افعال میں سے کسی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کو توبہ کرنا چاہیے' اسی طرح تحلیل کی شرط کے ساتھ حلالہ کرنے کرانے والے پر لعنت کی گئی ہے تا کہ اس فعل سے باز رہیں لیکن اگر کوئی اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کو توبہ کرنی چاہیے اگر کوئی عورت دوسری عورت کے بال اپنے بالوں سے جوڑتی ہے تو اس پر بھی لعنت کی گئی ہے (ترمذی ص ۳۰۱ ج ۱' مسلم ص ۲۰۴ ج ۲) بعض عورتیں چہرے یا جسم کے کسی دوسرے حصہ میں رنگ بھروا کر داغ لگواتی یا نام لکھواتی ہیں تو ان پر بھی لعنت کی گئی ہے (ترمذی ص ۳۰۶ ج ۱' مسلم ص ۲۰۴ ج ۲) مردوں کیلئے بھی یہی حکم ہے' اس روایت پر بحث کرتے ہوئے امام نوویؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ جسم کے جس حصہ پر یہ رنگ بھروایا ہو اگر اس داغ کو دور کرنے کیلئے عضو ضائع ہونے یا اس کے بے کار ہوجانے کا خوف ہو تو اس کا دور کرنا واجب نہیں ہے تو جب یہ آدمی اپنے اس کام پر توبہ کرے گا تو گناہ کا اثر باقی نہیں رہے گا (نووی شرح مسلم ص ۲۰۵ ج ۲' السراج الوہاج ص ۳۰۷) اب یہ لعنتی کام ہے مگر اس کے باوجود عضو کے بیکار ہوجانے کے خوف سے اس کو باقی رکھنے اور توبہ کے ذریعہ سے گناہ کے اثر کو دور کرنے کی غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھی تعلیم دے رہے ہیں۔

غصہ کی حالت میں طلاق

جو لوگ نادانی کی وجہ سے طلاق دے دیتے ہیں وہ پھر یوں کہنے لگ جاتے ہیں کہ میں غصہ میں تھا' غصہ میں طلاق دی ہے' تو اس بارہ میں احناف کا نظریہ یہ ہے کہ اگر آدمی معتوہ نہ ہو تو (معتوہ اس کو کہتے ہیں جس کے ہوش وحواس قائم نہ رہے ہوں) تو اس کی دی ہوئی طلاق ہوجاتی ہے' غصہ کو بہانہ نہیں بنایا جاسکتا اور غیر مقلد حضرات نے بھی اسی کے قریب قول کیا ہے' غیر مقلد عالم مولانا محمد عبداللہ صاحب امرتسریؒ سے سوال ہوا کہ کیا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق ہوجاتی ہے تو جواب دیا غصہ کی حالت میں طلاق ہوجاتی ہے کیونکہ طلاق عموماً غصہ میں ہوتی ہے ہاں اگر غصہ دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا اور اس کے ہوش وحواس بالکل قائم نہ رہے ہوں یہاں تک کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میرے منہ سے کیا نکلا

ہے کسی دوسرے نے بتایا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے خود اس کو پتہ نہیں تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وہ دیوانہ کے حکم میں ہے (فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۵۸ ج ۳) اور اسی طرح (ص ۲۷۶ ج ۳) میں لکھا کہ غصہ کی حالت میں طلاق ہوجاتی ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض جدید تعلیم یافتہ نوجوان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ طلاق تو مرد دیتا ہے پھر حلالہ کی سزا عورت کو کیوں دی جاتی ہے' یہ اعتراض غلط فہمی کا نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ عورت کے حق میں سزا تو تب ہو کہ عورت پر جبر ہو یا اس کی مرضی شامل نہ ہو حالانکہ دوسرے مرد سے نکاح کیلئے بھی اور اگر پہلے خاوند کی جانب لوٹنا ہو تو اس میں بھی عورت کی رضا ضروری ہے اس کی رضا کے بغیر تو نکاح ہی نہیں ہوتا اس لیے کہ ایجاب وقبول نکاح کے ارکان ہیں جب دوسرے خاوند سے نکاح کیلئے عورت اپنی رضا ظاہر کرتی ہے اور اسی طرح اگر دوسرے خاوند نے طلاق دے دی اور پہلا خاوند اس کو دوبارہ نکاح میں لانا چاہتا ہو تو تب بھی عورت کی رضا ضروری ہے' جب عورت کی رضا شامل ہے تو اس کو سزا نہیں کہا جاسکتا' باقی رہا یہ کہ عورت کو کبھی ایک نکاح میں اور کبھی دوسرے نکاح میں دینا بھی تو عیب کی بات ہے تو عرض ہے کہ شرعی حکم پورا کرنے کی خاطر ایسا کرنا کوئی عیب نہیں ہے اور پھر یہ صورتیں صرف اسی حالت میں پیش نہیں آتی بلکہ زندگی میں دیگر حالات میں بھی ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں اور ان کو کوئی عیب نہیں سمجھتا' مثلاً" عورت کا نکاح ہوا' خاوند نے طلاق دے دی اور پھر رجوع نہ کیا' وہ عورت دوسرے کے نکاح میں چلی گئی وہاں بھی اسی قسم کی حالت پیش آگئی اور پھر تیسرے کے نکاح میں چلی گئی آخر یہ عورت بھی تو یکے بعد دیگرے کئی خاوندوں کے نکاح میں رہی ہے اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتا اور نہ ہی خاندان کے افراد اس کو اپنی غیرت کے منافی سمجھتے ہیں تو جائز حلالہ کی صورت میں ایسی حالت کو کیوں عیب سمجھا جاتا ہے۔

مصالحتی کمیٹیوں کے فیصلے

کچھ عرصہ سے حکومت کی جانب سے مصالحتی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں جو طلاقوں کے مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلے بھی کرتے ہیں حالانکہ وہ بالکل اسلامی احکامات سے واقف

نہیں ہوتے کہ کونسی صورت صلح کی شریعت کے ہاں جائز اور کونسی ناجائز ہے وہ زیادہ تر یہی دیکھتے ہیں کہ دونوں فریق راضی ہیں لہٰذا صلح کرادی جائے حالانکہ تین طلاقوں کی صورت میں صلح کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اس لیے ایسے حالات میں صلح کرانا شریعت کے بالکل خلاف ہے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ! الصلح جائز بین المسلمین الا صلحاً حرم حلالاً " او احل حراماً " (ترمذی ص ۲۵۱ ج ۱) کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے مگر ایسی صلح جائز نہیں جس سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دیا جائے، امام ترمذی یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ! ھذا حدیث حسن صحیح اور تین طلاقوں کے بعد شریعت میں صلح کی گنجائش نہیں، خاوند پر عورت حرام ہوجاتی ہے اس لیے ان دونوں کے محض راضی ہوجانے کی وجہ سے صلح نہیں کرائی جاسکتی جیسے رشوت لینے اور دینے والے دونوں کی رضا ہو یا مرد و عورت رضا سے زنا کا ارتکاب کریں تو یہ فعل درست نہیں ہوجاتا اسی طرح تین طلاقوں کے بعد مرد و عورت کے راضی ہونے کی صورت میں بھی ان کے درمیان صلح کرانا جائز اور درست نہیں ہے اور ایسی حالت میں مصالحتی کمیٹیوں کے فیصلوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

عرضی نویسیوں کا طلاق نامہ لکھنا

اسلامی تعلیمات سے ناواقف عرضی نویس بھی بعض دفعہ پوچھے بغیر تیزی سے تین طلاقیں لکھ دیتے ہیں جو بعد میں گڑبڑ کا ذریعہ بنتا ہے، لکھنے والے حضرات کو وہی لکھنا چاہیے جو ان کو صاحب معاملہ لکھوائے، اپنی طرف سے نہیں لکھنا چاہیے ایسے عرضی نویسوں کو حکومت کی طرف سے تنبیہہ ہونی چاہیے اور عوام ایسے لوگوں سے طلاق نامہ نہ لکھوائیں تاکہ ان کی حوصلہ شکنی ہو، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (مکمل)